© rasailojaraid.com

بیگم رفیعہ حسن

اپنے والد کی یاد میں

اولاد اور والدین کے درمیان محبت کا تعلق ہونا انسانی فطرت کا ایک اہم تقاضا ہے لیکن میرا اپنے والد سے جو قلبی تعلق تھا اس میں خود ان کی غیر معمولی شخصیت کی وجہ سے چند ایسی خصوصیات بھی پیدا ہو گئی تھیں جن کی وجہ سے یہ رشتہ بھی کچھ عام رشتوں سے مختلف ہو گیا تھا۔ وہ نہ صرف میرے والد تھے بلکہ ایک مخلص دوست و رہبر اور ہر قسم کے معاملات میں، چاہے وہ دنیوی ہوں یا دینی یا علمی وہ ایک بلند پایہ مشیر بھی تھے۔ ان کی شخصیت میں جو صفات تھیں وہ محض گھر والوں ہی کے لیے نہ تھیں بلکہ زندگی میں جس شخص سے بھی ان کا کم و بیش تعلق رہا ہے وہ اس بات کی گواہی دے سکتا ہے کہ اس نے ان میں ان خوبیوں کو کس حد تک پایا ہے۔ اہل خانہ کو البتہ اسے اپنی خوش قسمتی جاننا چاہیئے کہ انہیں ان کی صحبت و شفقت سے مستفید ہونے کا سب سے زیادہ موقع ملا۔ میں خدا تعالےٰ کی از حد شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے ایسے قابل فخر باپ کی بیٹی بنایا۔

بچپن ہی سے جب سے میں نے ہوش سنبھالا میں نے انہیں اپنے ساتھ وقت کا بیشتر حصہ گذارتے ہوئے دیکھا ان کی طبیعت میں انتہائی نرمی اور صلح پسندی تھی۔ اور مجھے اپنے ہوش میں کوئی ایسا واقعہ نہیں یاد ہے کہ انہوں نے بچپن میں ڈانٹ ڈپٹ یا مار پیٹ سے کوئی کام لیا ہو۔ جس طرح دوسرے تمام معاملات میں ان کا طرز عمل عقل مندانہ تھا اسی طرح بچوں کے ساتھ بھی ان کا برتاؤ نفسیاتی تھا وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے مجھے ماں بنایا ہوتا تو میں ہر کام بچوں سے بغیر رلائے لے لیتا۔ انہیں ہمیشہ سے بچوں سے خاص لگاؤ تھا اور کہا جاتا ہے کہ یہ بھی انسان کے نیک ہونے کی نشانی ہے کہ کسی شخص کو بچوں سے اور بچوں کو اس سے لگاؤ ہو۔ نتیجہ یہ تھا کہ جو کام دوسرے لوگ بصد مشکل بچہ سے کرواتے اسے وہ محض ایک گر کی بات کر کے بچے سے بخوشی کروا لیتے۔ اور یہی حال ان کا دوسرے اشخاص سے تعلقات میں بھی تھا۔ اگر خاندان میں یا دوست احباب کے ہاں کوئی ایسا کٹھن مسئلہ پیش آ جاتا جسے وہ نہ سلجھا سکتے تو وہ دوڑے ہوئے اباجان کے پاس آتے تھے اور وہ اسے اپنی صلح جوئی، صائب رائے اور معقول دلائل سے نہایت خوش اسلوبی سے طے کرا دیتے۔ جو بات بعض ٹیڑھے اشخاص کسی صورت میں بھی ماننے کو تیار نہ ہوتے تھے وہ بھی ان کے کہے سے مان جاتے۔ دراصل وہ جس کسی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ملتے اسے یہ یقین ہو جاتا کہ وہ اس سے سچی ہمدردی رکھتے ہیں۔ اور ایک مرتبہ جب کسی کو ان کے خلوص اور ہمدردی کا یقین ہو جاتا تو پھر چاہے اس کو وہ کڑوی سے کڑوی یا سخت سے سخت بات ہی کیوں نہ کہتے وہ ہرگز برا نہ مانتا۔ ان کے بعض ملنے والے عموماً اس بات پر حیران ہوا کرتے تھے کہ خلیفہ صاحب لوگوں کو بہت کچھ کہہ جاتے ہیں اور کوئی برا نہیں مانتا۔ لیکن اگر ہم وہی بات کسی سے کہہ بیٹھتے ہیں تو لوگ بگڑ جاتے اور ہماری بات تک سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے!

ابا جان کا قول تھا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچوں کی تربیت اچھی ہو اور وہ کسی قابل بنیں، آپ سے متاثر ہوں اور اچھی باتیں آپ سے سیکھیں تو لازمی طور پر آپ کو ان کے لیے وقت دینا پڑے گا۔ وہ آجکل کی نئی روش کے بعض والدین کے رجحان کے خلاف تھے کہ وہ اپنے معاملات اور سوشل زندگی میں اس قدر محو رہیں کہ بچوں کے لیے ان کے پاس کوئی وقت ہی نہ ہو کہ وہ ان سے کوئی کام کی بات سیکھیں یا اپنی دن بدن بڑھنے اور نئے سانچوں میں ڈھلنے والی شخصیت کی نشوونما میں والدین کے تجربہ اور شفقت سے مستفید ہو سکیں۔ آیندہ قوم کی ترقی کے ضامن یہی آجکل کے بچے ہیں اور اگر ان ہی کی پرورش پر وقت، اور محنت نہ صرف کی جائے تو پھر ان کے مستقبل سے کیا امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں؟ چنانچہ ان کا عمل بھی ان کے قول کے مطابق ہی تھا اور انہوں نے ہماری تعلیم و تربیت کچھ اس انداز سے کی کہ ہمیں کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ ہماری اصلاح کے لیے خاص طور سے کوئی وعظ و تلقین کی جا رہی ہے یا ہم کو زبردستی بٹھا کر کوئی خشک تعلیمی درس گھول کے پلایا جا رہا ہے۔ انگریزی میں ایک مقولہ ہے کہ

MEN SHOULD BE TAUGHT AS IF THEY WERE TAUGHT NOT.

چنانچہ ان کا طریق تعلیم بھی کچھ ایسا ہی تھا کہ قدم قدم پر اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے یا خود کوئی اچھی کتاب پڑھتے لکھتے ہوئے ہمیں بلا کر کسی کی کہی ہوئی یا اپنی مفید اور سبق آموز باتیں بتایا کرتے اور پھر اسی ضمن میں ایک سے ایک اچھے اشعار سناتے اور اردو، انگریزی، پنجابی، فارسی، عربی، جرمن اور فرانسیسی زبان کے عمدہ مقولے بیان کیا کرتے۔ اپنی بات کو اس قدر دلچسپ اور دل نشیں انداز میں کہتے کہ سننے والے کے دل میں اتر جاتی اور اس طرح ذہن نشین ہوتی کہ عرصہ تک نہ بھولتی۔ سردیوں کے زمانے میں ہم سب آتشدان میں آگ جلا کر اس کے گرد بیٹھ جاتے تھے اور ابا جان کوئی نہ کوئی نئی کتاب لیے ہوئے اس میں سے دلچسپ باتیں اور اشعار ہمیں سنا کر ان پر ہمارے ساتھ ساتھ اپنا خیال بھی ظاہر کیا کرتے اور پھر بات میں سے بات نکلتی ہوئی کبھی شاعرانہ کبھی فلسفیانہ کبھی سیاسی اور کبھی مزاحیہ گفت گو کا رنگ اختیار کر لیتی۔ اور گھنٹے منٹوں میں گذر جاتے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس فضا میں جو تعلیم میں نے ایک حد تک غیر ارادی طور پر اور بے کوشش کے حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اس سے مجھے اپنی زندگی میں بے حد فائدہ ہوا ہے مجھے اس سے نہ صرف اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں پیش پیش رہنے میں مدد ملی بلکہ علم کا ذوق اور مطالعہ کا شوق بھی پیدا ہوگیا۔ انہیں اس بات کی خوشی تھی کہ ان کی مختصر سی اولاد یعنی ایک لڑکا اور ایک لڑکی میں سے اگر لڑکے کو سائنس کے مضامین سے دلچسپی ہے تو کم از کم لڑکی نے ان کے مضمون فلسفہ اور پھر نفسیات کی طرف اپنے رجحان کا اظہار کیا، ان مضامین کی تعلیم پائی اور ان کی روایت کو قائم رکھا۔

نہ صرف کتابی تعلیم بلکہ زندگی کے متعلق صحیح اور کارآمد نظریات قائم کرنے میں ابا جان کی زندگی خود ایک زندہ مثال تھی۔ ان کا نظریۂ حیات صحیح معنی میں فلسفیانہ تھا وہ بڑے سے بڑے دنیوی یا مالی نقصان کو اپنے نزدیک ہیچ جانتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اصل چیز جو انسان کے پاس ہونی چاہیئے وہ خدا پر ایمان اور علم و ہنر ہے اور اگر یہ چیز حاصل ہے تو پھر اس کے مقابلے میں اور اس کے علاوہ چیزیں ہیچ ہیں۔ قلبی و روحانی سکون سے بڑھ کر ان کے نزدیک کوئی چیز نہ تھی۔ ان کی زندگی میں بارہا ایسے مواقع آئے کہ انہیں ایک طرف مالی اور دنیوی فائدہ حاصل کرنے کا اختیار دیا گیا اور دوسری طرف اپنا من پسند علمی شوق پورا کرنے کا موقع ملا تو انہوں نے ہر بار اپنے علمی شوق کو ترجیح دی۔ انہیں خدا نے جو نعمتیں اور ہنر عطا کیا تھا انہیں ان کا احساس تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ جس دائرہ میں خدا نے انہیں برتری عطا کی ہے ان کا فرض ہے کہ وہ اسی شعبہ میں رہتے ہوئے ملک و قوم اور نوع انسانی کی خدمت کریں۔ اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ادارہ ثقافت اسلامیہ قائم کیا اور اسلام کے دائمی اصولوں کو موجودہ زمانہ کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے قابل عمل طور پر پیش کرنے کا بیڑا اپنے سر لیا اور اس کام کو اپنی زندگی کا ایک اہم مقصد قرار دے کر اپنا تن من دھن اسی مقصد کے حصول میں لگا دیا۔ یہاں تک کہ وہ آخر دم تک اس ادارے کی ترقی کے لیے کام کرتے رہے۔ افسوس کہ قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ انہیں اس زندگی کے چند سال اور مل جاتے اور قوم کو ان کے گراں قدر خیالات سے مستفید ہونے کا مزید موقع حاصل ہوتا۔ ابا جان کے انتقال سے چند ہی دن قبل میں نے دیوان حافظ سے ایک فال نکال کر دیکھا جو کہ ان کے تمام ارادوں کو محض ابتدائی شکل تک ہی پہنچ پانے کی طرف اشارہ کرتا تھا:

زمانہ از ورق گل مثال روئے تو بست
ولی ز شرم تو در غنچہ کرد پنہانش

اس کے بعد ہی میں نے متفکر ہو کر دوبارہ فال دیکھی جس سے صاف الفاظ میں ان کی وفات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بر سر تربت ما چوں گزری ہمت خواہ — کہ زیارتگہ رندانِ جہاں خواہد بود
بر زمینی کہ نشانِ کفِ پائے تو بود — سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

دیوانِ حافظ سے فال ابا جان بھی اکثر نکالا کرتے یعنی جب کبھی بھی طبیعت کسی مسئلہ کی وجہ سے مضمحل ہوتی تو لسان الغیب حافظؒ سے اس معاملہ پر رائے طلب کرتے اور ان کا تجربہ یہ تھا کہ انہیں ہمیشہ برمحل اور صحیح جواب ملا کرتا۔ اس کے بعد خود میں نے بھی بارہا اس کا تجربہ کیا اور یہی دیکھا کہ جیسے بھی حالات پر سوال کیا جائے اس کے مطابق ہی نہایت برمحل اور پتے کا جواب ملتا ہے۔ یہ کیونکر ہوتا ہے اور کن اصولوں کے تحت یہ ممکن ہوتا ہے اس کا جواب میرے لیے آسان نہیں۔ لیکن میرا تجربہ یہی ہے۔

جہاں تک انسانیت کا تعلق ہے وہ ابا جان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ خندہ پیشانی سے ہر ایک سے ملنا اور ہر کہ و مہ سے یکساں درجہ پر ملنا ان کی فطرت میں داخل تھا۔ خلوص اس قدر تھا کہ رسمی طور پر بڑے سے بڑے افسر یا حاکم تک سے ملنے کے قائل نہ تھے۔ لیکن ان کے علم و فضل کی بنا پر ہر شخص ان سے کچھ نہ کچھ حاصل کرنے کا خواہشمند رہتا اور وہ بخوشی مختلف موضوعات پر اس سے گفت گو کرتے رہتے اور عموماً ہر شخص کو اس قدر متاثر کرتے کہ وہ گرویدہ بن کر رہ جاتا۔ جادو بیانی و محفل آرائی، ظرافت و بذلہ سنجی ان جیسے عالم شخص میں ہونا سونے پر سہاگے کا کام دیتی تھی۔ وہ جس محفل میں بیٹھتے وہاں تمام حاضرین قدرتی طور پر ان ہی کی طرف متوجہ رہتے اور ان کی دلچسپ اور سبق آموز باتوں سے محظوظ ہوتے۔

انصاف پسندی بھی ابا جان کی طبیعت میں خاص طور سے نمایاں تھی وہ ہمیشہ حق بات کا ساتھ دیتے اس چیز کا خیال کیے بغیر کہ آیا وہ کسی ادنیٰ ملازم کی زبانی پیش ہو رہی ہے یا کسی عزیز یا دوست کے خلاف پڑ رہی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ نہ صرف گھریلو بلکہ بیرونی معاملات میں بھی انہیں ثالث مقرر کیا جاتا تھا۔

آخری لمحہ تک ان کی زندگی اپنے نصب العین کی جستجو سے خالی نہ تھی۔ میرے خیال میں ان کی زندگی کا شاید ہی کوئی ایسا لمحہ گزرا ہو جس میں کہ انہوں نے اپنے آپ کو اکتایا ہوا محسوس کیا ہو۔ اور اس کا راز یہی تھا کہ بیشتر اوقات وہ بہترین مفکرین کی صحبت میں اپنے آپ کو مطالعہ کے ذریعہ پہنچا دیا کرتے یا کسی نہ کسی موضوع پر اپنے خیالات کو سپرد قلم کیا کرتے اور یا پھر اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کی صحبت میں وقت گزارتے اور ان سے تبادلہ خیالات کرتے۔ پہاڑوں کی خاموش فضا میں وہ اپنے آپ کو مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں محو رکھتے۔ موسم گرما میں ہر سال کم از کم تین چار ماہ کے لیے پہاڑ پر ضرور جاتے اور اس دوران میں ایک نہ ایک بیش بہا کتاب کی تصنیف مکمل کر لیتے۔ اردو اور انگریزی میں اظہار خیالات کی انہیں یکساں قدرت حاصل تھی۔ بات بات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر وہ جوبات بھی کہتے وہ انمول ہوتی اور سچ تو یہ ہے کہ ان کے جاننے والوں کو ان کی جس قدر دلچسپ باتیں یاد ہیں وہ سب اگر جمع کی جائیں تو یقیناً ایک دلچسپ کتاب بن سکتی ہے

اباجان کو اپنے دین سے جو محبت تھی اس کے بارے میں میں چند الفاظ کہے بغیر نہیں رہ سکتی۔ انہوں نے اسلام کا گہرا مطالعہ کیا اور اسے زندگی کے ہر شعبہ کی کسوٹی پر پرکھ کر پورا پایا۔ چونکہ انہیں اس بات کا یقین محکم تھا کہ یہی مذہب ہے جو کہ قوانین قدرت کے مطابق ہے اور اس لحاظ سے اس کے بنیادی اصول دائمی ہیں گو تفاوت روزگار اور ملک ملک کی تہذیب و تمدن کے اختلاف کی وجہ سے ان اصولوں کا طریق اظہار بالکل یکساں ہونا ممکن نہیں۔ وہ جس طرف بھی نگاہ اٹھاتے انہیں وحدت خدا کا ثبوت نظر آتا۔ ان کا نظریہ حیات اساسی طور پہ مذہبی تھا اور ان کے اعمال بھی ان کے ذاتی عقائد پر مبنی تھے۔ اس لیے ان کی زندگی میں پوری ہم آہنگی پائی جاتی تھی اور ایک سچے مسلمان کا سکون قلب حاصل تھا۔ یہاں تک کہ مرنے کے بعد بھی ایک مسکراہٹ ان کے چہرے پر موجود تھی اور اسے دیکھ کر ایک عجیب قسم کا صبر و سکون دیکھنے والے پر تاری ہو جاتا تھا۔

سکھ مسلم تاریخ

مصنفہ ابوالامان امرتسری

سکھ تاریخ میں مسلمان بادشاہوں اور حکمرانوں کو سراپا غلط اور بے بنیاد الزام لگا کر بدنام کیا گیا ہے۔ اور بعض مورخین نے تہذیب اور اخلاق کی تمام ذمہ داریوں سے بے نیاز ہو کر مسلمانوں کی تحقیر کی ہے۔ چونکہ وہ تاریخ ایک ایسی زبان میں تھی جس سے مسلمان عام طور پر آشنا نہ تھے اس لیے وہ اس تاریخ کا صحیح رنگ میں جائزہ نہ لے سکے اور نہ ہی اس کا ازالہ کر سکے۔ اور اسی وجہ سے یہ زہر اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا۔

ابوالامان امرتسری نے ان الزاموں کو سکھ تاریخ اور حقائق کی روشنی میں بے بنیاد ثابت کر کے واضح کیا ہے کہ یہ بہت عرصہ بعد مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ قیمت ۲ روپے ۸ آنے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

© rasailojaraid.com